ابوسلمان شاہجہانپوری

خان محمد امین خان کھوسو (مرحوم)

جناب صدر اور معزز حاضرین!

خان محمد امین خان کھوسو میرے مرشد تھے۔ انھوں نے مجھے راہ دکھائی۔ میں اندھیرے میں کھڑا ہوا تھا میرے پاؤں لرز رہے تھے، میرا دل خوف سے کانپ رہا تھا، مجھے راہ و منزل کا کچھ پتہ نہ تھا، بس اتنا جانتا تھا کہ یہ تاریکی میرا مقام نہیں ہے۔ میرے پیر لرزنے اور دل کانپنے کے لیے نہیں بلکہ حرکت و عمل و عزم و حوصلے کے لیے ہیں عزم و حوصلہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں لیکن جس طرح تحصیل علم کے لیے استاد کی، ہدایت کے لیے رہنما کی اور اصلاح و تزکیہ کے لیے ایک کامل مرشد کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح مجھے ایک ایسے استاد کی ضرورت تھی جو ہوائے نفس و اغراض اور جہل و تعصب کے اس دور میں مجھے راہ و منزل کا پتہ بتلا دے، میرے قدموں کو جما دے، دل کو عزم کار و استقامت سے اور زندگی کو با مقصد، عزم سفر کو با منزل اور روز و شب کو افادہ و فیضان سے بھر دے ابھی یہ تمنا دعا بن کر لبوں پر بھی نہ آئی تھی کہ اس علّام الغیوب نے جو دلوں کے حال جانتا ہے۔ قبول فرمالی۔

۱۹۶۹ء کا آخر تھا جب خان محمد امین خان کھوسو مرحوم و مغفور سے میری ملاقات ہوئی اور پہلی ہی ملاقات میں محسوس کر لیا کہ میں اپنے مقصد کے پاس پہنچ گیا ہوں اور مجھے وہ چیز مل گئی ہے رُوح جس کی متلاشی ہے۔ یہ تلاش و ضرورت وہی تھی جس کی طرف اشارہ کر آیا ہوں یعنی ایک متعین راہ و منزل مقصود، قدموں کی استقامت اور دل کا عزم و ثبات۔ اسی لیے میں نے کہا ہے کہ خان محمد امین خان میرے مرشد تھے۔

میں ان سے رفتہ رفتہ متاثر نہیں ہوا۔ مجھے ان کا بننے میں شب و روز کی گردشوں اور ماہ و سال کی

نوٹ: یہ مقالہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری نے ۵ دسمبر ۱۹۸۲ء کو مرحوم کھوسو کی پہلی برسی کے جلسہ عزیز آباد (ضلع جیکب آباد) میں پڑھا تھا۔ شاہجہانپوری صاحب اس وقت ڈاکٹر نہیں ہوئے تھے (ادارہ)

منزلوں اور مطالعے کی راہوں سے گزرنا نہیں پڑا یہ نگاہ کیمیا اثر کا کرشمہ تھا یا ان سے معانقہ و معالقہ کا فیضان تھا کہ تجدد اور رہبنیت کی ہتھکڑیاں یک لخت منہدم ہو گئیں میں ان سے اس طرح ملا گویا کہ ان سے ہمیشہ سے واقف ہوں۔ میں جب کسی سے ملتا ہوں تو ابتدائً تھک کشیدہ اور احتیاط سے ہوتی ہے لیکن مرحوم امین الملت سے میرا سامنا ایک عجیب شکاری سے سامنا تھا جس نے پروں کو جنبش کرنے کی مہلت بھی نہ دی دلچسپ یہ تھی کہ طائر قلب ان کی مٹھی میں تھا۔

میں ان کی ملاقات سے پہلے امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی علیہ الرحمۃ کی تمام تصانیف اور ان کے افکار و واقعات کا مطالعہ کر چکا تھا۔ اس مطالعہ کے دوران میں میں ایک انقلابی فکر سے آشنا ہوا تھا۔ لیکن میری زندگی اب بھی خشک کی خشک تھی اس میں کوئی خاص انقلاب نہ آیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ فکر و خیال کے جمود کو توڑنے اور انقلاب لانے کے لیے صرف انقلاب انگیز افکار ہی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ایک انقلابی شخصیت کے وجود کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ انقلاب فکر و عمل کا آخری مرحلہ تکمیل کو نہیں پہنچتا، جب تک کوئی انقلابی شخصیت کا دستِ تربیت اور اس کی انقلاب انگیز صحبت نمودار ہو کر جمود و تقلید اور رسم و روایت کی تمام زنجیروں کو کاٹ نہیں دیتی لیکن میں نہیں جانتا کہ انقلابی شخصیت کیسی ہوتی ہے؛ انقلاب اور انقلابی شخصیت کے الفاظ سے واقف تھا۔ لیکن اس کے معنی کی کوئی شکل نظروں میں نہیں تھی۔ جب میں انقلابیوں کے تذکرے پڑھتا تھا کہ ان کی صحبت سے لوگوں میں انقلاب پیدا ہو گیا تھا۔ اور لوگ اپنی جان و مال سے بے پروا ہو کر سمندروں میں کود پڑے تھے۔ پہاڑوں سے ٹکرا گئے تھے، زلزلوں کا مقابلہ کیا تھا، قید کی کوٹھری ان کے لیے حجلۂ عروسی تھی، تختہ دار ان کے لیے اعزاز تھا، پھانسی کے پھندوں کو انھوں نے چوم لیا تھا، سزائے موت کا حکم سن کر مسکرا دیتے تھے اور زندگی جیسی متاع عزیز کو ملک و قوم پر قربان کرنے کے بعد یہ سمجھتے رہے کہ حق تب بھی ادا نہیں ہوا ہے۔ میں یہ باتیں پڑھتا تھا تو تعجب ہوتا تھا، لیکن امین الملت سے ملاقات میرے لیے خود اسی قسم کا ایک تجربہ تھا۔ میرے لیے ان کی ملاقات انقلابی فکر کے آخری مرحلے کی تکمیل کے لیے تھی ان کی صحبت نے میرے ذہن کے اس جمود کو توڑ دیا، جو مولانا سندھی علیہ الرحمۃ کے انقلابی افکار کا مطالعہ بھی نہ توڑ سکا تھا۔ پہلے اگر کبھی وقت کے عام دھارے کے خلاف زبان و قلم سے کام لینے کا خیال دل میں پیدا بھی ہوتا تو موانع و مشکلات

کی ڈراونی صورتیں سامنے آجاتیں عدم تحمل وقت کے خطرات ڈراتے اور عمل واقدام کا شعلہ فوراً بجھ جاتا لیکن یہ کسی مکتب یا مطالعے کا فیضان نہیں تھا بلکہ ان کی نظر کی کرامت تھی کہ میں ایک یک و تنہا وجود دل میں کسی قسم کے خطرات لائے بغیر حضرت امین الملت کے مشن اور ان کے پیر و مرشد مولانا سندھیؒ کے افکار کا داعی ہوں اور علی الاعلان کہتا ہوں کہ اس ملک کی [illegible] و فلاح مولانا سندھیؒ کے دینی و سیاسی افکار میں اور حضرت امین الملت مرحوم کے حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر میں ہے۔ پاکستان کو آج اور مستقبل میں جن جماعتوں اور تحریکوں سے خطرہ ہے ان کا مقابلہ و استیصال فکرِ عبید اللّٰہی کی تلوار ہی سے ممکن ہے اگر ہماری قوم میں کچھ ایسے باشعور اشخاص موجود ہوں تو ہمیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔

حضرات! میں نے ابھی کہا کہ محمد امین خان ایک انقلابی تھے اور انقلابی کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ فکر و نظر کے انداز بدل دیتا ہے اور دل میں عزم اور عمل کا جوش و ولولہ پیدا کر دیتا ہے۔ میں آپ کو بتاؤں کہ انھوں نے میرے اندر کون سا انقلاب پیدا کر دیا ہے فکر و نظر کے زاویوں کو کس طرح بدل دیا۔ حضرت امین الملت کی ملاقات سے پہلے مجھے صرف ایک زبان سے، ایک مخصوص تہذیب سے اور چند خاص رسموں اور رواجوں سے دلچسپی تھی، آج بھی اس زبان سے، اس تہذیب سے اور ان رسموں اور رواجوں سے جن میں آنکھ کھولی اور پرورش پائی ہے محبت میں کمی پیدا نہیں ہو گئی لیکن نظر میں وسعت مزید پیدا ہو گئی۔ آج میرے نزدیک سندھی زبان ایک بہترین اور شیریں زبان ہے سندھی تہذیب سب سے پیاری تہذیب، سندھ کے باشندے گویا کہ میرے ہی دست و بازو اور دل و جگر کے ٹکڑے ہیں اور سندھ کی سرزمین میرا محبوب وطن ہے۔ ایک صاحب نے شکایتاً کہا کہ یہاں محبت و مروت کی کمی ہے۔ میں نے کہا یہ بات آپ اس شخص سے کہہ رہے ہیں جسے یہاں کی مٹی سے بھی محبت کی بو آتی ہے اور جس نے محبت کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔

حضرات! آپ سمجھے یہ فکر و نظر بلکہ مزاجِ فطرت کا اتنا بڑا تغیر کیوں کر واقع ہوا؟ میرے نزدیک اس کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے ایک انقلابی کا فیضانِ صحبت اور اس کی نظرِ کیمیا اثر کا نتیجہ اور اس انقلابی کا نام آپ جانتے ہی ہیں۔

محمد امین خان کھوسو ایک عالم شخصیت تھے، ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا، انھوں نے تاریخ

مذہب، سیاست اور دنیا کی انقلابی تحریکات کا غائر مطالعہ کیا تھا وہ ایک صاحبِ فکر شخصیت بھی تھے اور ملک اور بیرونِ ملک کی رجعت پسندانہ تحریکات پر ان کی گہری نظر تھی، وہ ایک مدبر تھے لیکن ان کی شخصیت کا جو پہلو ان کی تمام حیثیتوں پر حاوی تھا وہ ان کی زندگی کا عملی پہلو تھا وہ ایک خالص عملی انسان تھے عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ علم و مطالعہ اور فکر و نظر کی بلندی کے ساتھ عمل کی رُوح کچل جاتی ہے۔ لیکن حضرت امین الملت فکر و عمل دونوں کے جامع تھے، ان کی فکر جس قدر بلند اور مطالعہ جس قدر وسیع تھا عمل کی صلاحیت بھی اتنی ہی زیادہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فکر و عمل کی صلاحیتوں کے ساتھ زبان و بیان اور تحریر و تقریر کی بخششوں سے بھی انھیں مالا مال کیا تھا۔ وہ ایک شگفتہ قلم ادیب بھی تھے اور شعلہ بیان مقرر بھی تھے۔ معلوم نہیں آپ میں سے کتنے حضرات کو ان کی شعلہ نفسی کا تجربہ ہوا ہے لیکن میں نے ان کے اس کمال کا بارہا مظاہرہ دیکھا ہے وہ اپنی شعلہ نفسی سے مردہ دلوں میں زندگی کی حرارت پیدا کر دیتے تھے، جذبات میں آگ لگا دیتے تھے۔ اور ایک زندہ تمنا بن کر قلب کو گرما اور روح کو تڑپا دیتے تھے۔ آپ حضرات آگ کے پاس بیٹھتے ہیں اور گرمی حاصل کرتے ہیں۔ آپ یقین فرمائیے کہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوں اور بالکل اسی طرح حرارت محسوس کی ہے جس طرح آپ آگ سے گرمی محسوس کرتے ہیں۔

اتنا ہی نہیں کہ میں انھیں ایک عالم، مفکر، مدبر اور انقلابی سمجھتا ہوں میں تو ان کی ولایت کا بھی قائل ہوں بلکہ ان کی کرامت پر بھی یقین رکھتا ہوں۔ کیا یہ ان کی ولایت کی کوئی معمولی دلیل ہے؟ اور کیا یہ ان کی کرامت نہیں ہے؟ کہ ایک شخص جو کبھی کراچی میں بھی کسی جلسے اور تقریب میں دیکھا نہیں جا سکتا وہ آج کراچی سے کئی سو میل دور عزیز آباد کے ایک چھوٹے سے قریے میں آپ حضرات کے سامنے موجود ہے، آپ جانتے ہیں وہ کون سی زنجیر ہے جو اس شخص کو یہاں کھینچ لائی ہے اور وہ کون سی کشش ہے جس نے آپ حضرات کو اس اجنبی و نا آشنا کی آواز پر متوجہ کر دیا ہے؟ کیا میرے لیے اس دور دراز قریے میں عہدہ و منصب کا کوئی لالچ تھا؟ اور کیا آپ اس مجلس میں کسی دنیاوی طمع کے لیے گوش بر آواز ہیں؟ آپ جانتے ہیں کہ میرے اور آپ کے لیے اس قسم کا کوئی لالچ ہے اور نہ کوئی طمع، لیکن پھر بھی میرے لیے کوئی کشش ضرور تھی کہ میں نے سردی کے اس موسم میں قیام کی راحت کو ترک کیا، سفر کی صعوبت اٹھائی اور آپ تک پہنچا اور اب آپ کے درمیان کھڑا ہوں

آخر یہ کشش کون سی تھی؟ دنیا میں ہر چیز اور ہر عمل و حرکت کا ایک نام ہے تو اس کشش کا بھی نام رکھ لیجیے میں نے اس کشش کا نام کرامت رکھ لیا ہے۔

میں یہاں اپنے اس عقیدے کو بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں اس قسم کے ولیوں پر ایمان نہیں رکھتا جو عقل و ہوش سے تہی، غیر شرعی اعمال میں مبتلا اور گندی نالیوں کی غلاظت سے آلودہ گلی کوچوں میں اکثر نظر آجاتے ہیں۔

حضرات! آپ جانتے ہیں کہ ہمارے ملک میں اور خصوصاً ہمارے صوبے میں بعض نافہم ذہنوں اور بعض سیاسی ہاتھوں نے ایک مسئلہ پیدا کیا ہے اور اب سارا ملک اس کے حل کے لیے پریشان ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ابھی تک کوئی ایسا حل سامنے نہیں آیا ہے جس سے تمام ذہن مطمئن ہو جائیں۔

میں آپ سے صاف الفاظ میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اس کا حل صرف مولانا عبید اللہ سندھی رح کے افکار میں ہے یا اس شخصیت کے افکار اور سیرت میں ہے جس سے رشتۂ ارادت کسی کو کراچی سے کسی کو ملتان سے، کسی کو کوئٹہ سے، کسی کو نواب شاہ اور حیدرآباد سے اور اسی طرح ملک کے مختلف اطراف و جوانب سے یہاں کھینچ لایا ہے اور تمام حضرات کو ایک شامیانے کے نیچے جمع کر دیا ہے۔

میں یقین رکھتا ہوں کہ جس کی محبت میں مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے یہ لوگ جمع ہو سکتے ہیں اس کی افکار کی روشنی میں اپنی حیات قومی کا سروسامان بھی کر سکتے ہیں اور اخوت و محبت سے بھرا ایک خوشحال معاشرہ بھی تعمیر کر سکتے ہیں۔

حضرات! میں ایک شخص یک و تنہا آپ کے سامنے کھڑا ہوں اور آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں اس بات کا عہد کر چکا ہوں کہ میری زندگی کا ایک ایک لمحہ ملک کی تعمیر و ترقی اور خدمت قومی کے انھیں مقاصد کی تکمیل کی سعی و کوشش میں گزرے گا جو حضرت امین الملت کی زندگی کا مشن تھا جن مقاصد کی طرف امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی علیہ الرحمۃ کے افکار نے رہنمائی کی ہے اور جو امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نور اللہ مرقدہٗ کے سیاسی فلسفے اور فکر کے مطابق ہیں۔ اور اتنا ہی نہیں کہ عہد کر چکا ہوں بلکہ اپنے سفر کا آغاز بھی کر چکا ہوں۔

(بقیہ صفحہ ۴۰ پر)